

دھنٹ

۱۹۱۵ مئی
۲۳۹ جولائی
پاکستانی

علام عباس

دھنک

دھنک

از
غلام عباس

سجاد کامران

۷۔ ایچ، بلاک ۶۔ پی۔ ای۔ سی ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی

ناشر

طبع : انصاری پرنٹنگ پریس

طبع اول : جون ۱۹۶۹ء

تعداد اشاعت : ایک هزار

قیمت خاص اڈیشن (محدود) : سات روپے

عام اڈیشن : تین روپے پچاس پیسے

عرض حال

یہ افسانہ میں نے آج سے دو سال قبل لکھا تھا ۔
آس وقت میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اجرام فلکی کی
تسخیر کے لئے انسانی مہات اس قدر شدت اختیار کر لیں گی
کہ اگلے دو ہی برس میں انسان کا چاند پر پہنچا ممکن
ہو جائے گا ۔ اور آس کے ساتھ ہی ٹیلی ویژن کی نشریات
میں بھی اس قدر ترقی ہو جائیگی کہ آس کے ذریعے ساری
دنیا انسان کی اس فیروز مندی کا "تماشہ" دیکھ
سکے گی ۔

میں چاہتا تو افسانے میں ترمیم و تنسیخ کر کے اسے
جدید ترین حالات کے مطابق بنا سکتا تھا ۔ لیکن چونکہ میں
نے تسخیر قمر کو محسن انسان کی انتہائی ترقی کے Symbol
(علامت) کے طور پر استعمال کیا ہے حقیقت پسندانہ نقطہ
نظر سے نہیں، اس لئے ان تبدیلیوں سے افسانے کے نفس
مضمون میں کچھ فرق نہ پڑتا ۔ چنانچہ میں نے اسے جوں
کا توں ہی رہنے دیا ہے یعنی جیسا کہ آج سے دو سال پہلے
میرے تخیل میں اس کا نقش آبھرا تھا ۔

حکیم الامت علامہ اقبال رح کی تعلیمات کے زیر اثر میں
نے خود کو کبھی کسی فرقے سے واپستہ نہیں کیا۔
بلکہ ملت اسلامیہ کا ایک فرد سمجھا ہے۔ اپنی اس حیثیت
سے میں نے ملت کے مستقبل کے بارے میں جو خدشات
محسوس کئے، آن کا اظہار ایک افسانے کے پیرائے میں کیا
ہے کہ یہی میرا فن ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے غیر منقسم ہندوستان میں اہل
وطن کی بے حسی، نا اتفاقی اور فرقہ بندی کو دیکھتے ہوئے
انہیں خبردار کیا تھا :

نه سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو !
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

میں نے بھی کچھ اسی قسم کے حالات سے متاثر ہو کر
یہ افسانہ لکھا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اتنا اور عرض
کرنا ہے کہ اس افسانے میں مسلمانوں کے کسی خاص فرقے
یا جماعت یا کسی خاص شخصیت کو ہدف نہیں بنایا گیا۔
اور اگر کہیں مماثلت نظر آئے تو اسے محض اتفاقیہ سمجھا
جائے۔

غلام عباس

یکم جون ۱۹۶۹ء

یہ یسوسی صدی کے اواخر کی ایک شب کا ماجرا ہے۔
 ہوٹل موہن جو ڈارو کی اکھتروں منزل پر جو سب سے
 اونچی اور ”باغیچہ آویزان“ کے نام سے موسوم ہے، ارباب
 حکومت کی جانب سے ایک پرتکلف ضیافت نیم شبی دی
 جا رہی ہے۔ مہمانوں میں دنیا بھر کے ملکوں کے سفیر
 سائنس دان، مفکر اور صحافی شامل ہیں۔

ہوٹل کی چھت پر کھلے آسمان کے نیچے کمخواب کا
 ایک شامیانہ جس کے کناروں پر موتیوں کی خوش نما جھالر
 لگی ہے جڑاؤ استادوں پر نصب کیا گیا ہے۔ شامیانے کے
 نیچے رنگارنگ قالینوں کا فرش بچھا ہے۔ یہ وہی قالین ہیں
 جو پٹ سن کے سنبھرے ریشے سے بنائے جاتے ہیں۔ اور
 اپنی نقیس بنت، پائیداری اور نقش و نگار کی دل آویزی کے باعث
 دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ ان قالینوں پر تھوڑے
 تھوڑے فصل سے کشادہ اور آرام دہ محملی صوف رکھتے ہیں
 جن پر معزز مہمان اپنی ییگمات کے ساتھ متمنکن ہیں۔

یہ مہمان جو پانچ برا عظموں کے مختلف تمدنوں کی
 نمائندگی کرتے ہیں اپنا اپنا پروقار قومی لباس پہنے ہوئے
 ہیں۔ انکے جدا جدا ناک نقشے، انکی مخصوص حرکات و

سكنات، انکی الگ الگ بولیاں، ہر ملک کی عورت کا جداگانہ حسن، اس کی مختلف طرز آرائش و زیبائش، آس کے مخصوص کرشمہ وادا دیکھنے والوں پر ایک محاذیت کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔

ہر چند بظاہر کوئی ہنڈا، بلب، گیس یا ٹیوب لائن
دکھائی نہیں دیتی۔ پھر بھی سارا پنڈال بقعہ نور بنا ہوا ہے۔
جابجا فوارے چھوٹ رہے ہیں جنکی پھواروں پر رنگ برلنگی
شعاعیں پڑ رہی ہیں۔ ”باغیچہ آویزان“ میں قسم قسم کے
پیڑ پودے کثرت سے لگائے گئے ہیں۔ جنکے پھولوں کی
ملی جلی خوشبو دلوں میں ایک نشاط کی کیفیت پیدا کر
رہی ہے۔

مہماںوں کے وسط میں ایک اونچی گول میز پر جو کارچوبی
کے کام کے ایک بیش قیمت میزپوش سے مزین ہے، ایک بڑا
سا خوبصورت ریڈیو سٹ رکھا ہے۔ اس سٹ کے اندر چاروں
طرف اسپیکر اس ترکیب سے لگائے گئے ہیں کہ ہر شخص
کو خواہ وہ کسی سمت بیٹھا ہو آواز صاف سنائی دے
سکے۔

اس وقت ریڈیو سے آرکسٹرا کی موسیقی نشر ہو رہی ہے
جس کی دھن اس تقریب کے لئے خاص طور پر باندھی گئی ہے۔
اور وہ تقریب کیا ہے؟ وہ یہ کہ آج رات پونے دو سے
لیکر دو بجے کے درمیان کسی وقت پاکستان کا پہلا خلاپیما

چاند پر آٹر جائیگا - اور آسکی اس بے نظیر کامیابی کا حال اور چند پر آسکے مشاهدات براہ راست آسی کی زبان سے نشر کئے جائیں گے -

گو دنیا کے بعض ممالک بچھلے کئی برس سے چاند پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے - مگر اس امر میں اولیت حاصل کرنا پاکستان کی قسمت میں لکھا تھا - جب پاکستان نے تسخیر قمر کے سلسلے میں اپنے عزم کا اعلان کیا تو پہلے تو ان ملکوں کے سربراہوں کو یقین ہی نہیں آیا کہ پاکستان نے اس میدان میں اس قدر ترقی کر لی ہے - مگر جب انکے سفیروں نے جو پاکستان میں مقیم تھے پاکستان کے ارادے کی تصدیق کر دی تو آنکی حیرت کی انتہا نہ رہی - اور آنہوں نے اپنے اپنے ہاں کے سائنس دانوں اور دانشوروں کو اس تقریب کا حال بچشم خود دیکھنے کے لئے یہاں پہنچ دیا -

اس وقت رات کا ایک بج چکا ہے مگر دنیا کے دور دراز حصوں سے آئے ہوئے ان مہمانوں میں سے کسی کے چہرے سے بھی تھکاوٹ یا کسل مندی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے اسکے برعکس جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے وہ پہلے سے بھی زیادہ چاق و چوبند نظر آرہے ہیں -

ہوٹل کے خدام زرنگار وردیاں پہنے ہلکے پہلکے طعام اور مشروبات کے طشت آٹھائے مہمانوں کی تواضع میں

مصروف ہیں۔ کچھ لوگ باہم گفتگو کر رہے ہیں۔ کچھ ریڈیو کی موسیقی سن رہے ہیں جس کا سلسلہ کبھی کبھی منقطع ہو جاتا ہے اور اناؤنسر آج رات کے پروگرام کی تفصیل یا کوئی مقرر چاند کی مہم کے سلسلے میں ابتدائی کامیابیوں کا حال سنانے لگتا ہے۔ کچھ مہمان جب بیٹھے بیٹھے آکتا جاتے ہیں تو شامیانے سے باہر نکل کر ”باغیچہ آویزان“، کی پر فضا روشنوں پر ٹھلنے یا گرد و نواح کا منظر دیکھنے لگتے ہیں۔ یوں تو شہر میں کئی عمارتیں ہوٹل مohn جو ڈارو سے بھی اوپھی اوپھی ہیں، مگر مضافات اور سمندر کا جیسا دلفریب نظارہ ”باغیچہ آویزان“، سے دکھائی دیتا ہے اور کہیں سے دکھائی نہیں دیتا۔ خصوصاً رات کے وقت تو جہازوں اور جزیروں کے مکانوں کی روشنیاں دور سے جھلملاتی ہوئی بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

اس وقت فوری کا چاند اپنی پوری تابندگی کے ساتھ روئے زمین پر خنک چاندنی بکھیر رہا ہے۔ آسکا نظارہ بجائے خود ایک عجیب جاذیت رکھتا ہے۔ مہمانوں کی نظریں بار بار آسکی طرف اٹھ جاتی ہیں اور وہ موجودہ تقریب کی مناسبت سے اور بھی محیت کے ساتھ آسے دیکھنے لگتے ہیں۔

آخر ڈیڑھ بجھے کے قریب ریڈیو پر اعلان کیا گیا کہ سب مہمان اپنی اپنی نشستوں پر آکر بیٹھ جائیں۔ اس وقت مہمانوں کے اشتیاق کی کیفیت دیکھنے سے تعلق

رکھتی ہے، خصوصاً بعض خواتین پر تو اضطراب کی سی
حالت طاری ہے جس پر قابو پانے کے لئے آنہوں نے اپنی
مشہیاں بھینچ رکھی ہیں۔ دم بھر میں سب لوگ جو ادھر
آدھر بکھرے ہوئے تھے اپنے صوفوں پر آکر بیٹھے
گئے۔ سب نے کان ریڈیو کی آواز پر لگا دئیے۔ کچھ وقت
اور انتظار میں گزرا۔ اس کے بعد اناؤنسر کی آواز یہ اعلان
کرتی ہوئی سنائی دی:

”اب ہم اپنے سنتے والوں کو چاند پر لئے چلتے ہیں
جہاں اس وقت اجرام فلکی پر انسانی فتوحات میں ایک نیا
اور انوکھا اضافہ ہونے کو ہے۔ لیجئے ہمارے خلا پیما جو
اس مہم کو سر کر رہے ہیں آپ سے مخاطب ہوتے ہیں۔“

اس اعلان کے ساتھ ہی ریڈیو سے ایسی گھڑ گھڑاہٹ
سنائی دینے لگی جیسی کسی دور دراز ملک کے اسٹیشن کو
”پکڑتے، وقت سنائی دیا کرتی ہے۔ اس فضائی گڑ بڑ کا
سلسلہ چند لمحے جاری رہا۔ اس کے بعد ایک انسانی آواز
اس شور میں سے آبھرنی شروع ہوئی۔ پہلے پہل الفاظ صاف
سنائی نہ دیئے مگر رفتہ رفتہ واضح ہوتے گئے:

”میں کیپشن آدم خان سکنہ ضلع جہنگ عمر پینتیس (۳۵)
سال آپ سے مخاطب ہوں۔ میرا خلائی جہاز اس وقت چاند
کی سطح سے صرف پانچ ہزار فیٹ کی بلندی پر رہ گیا ہے۔
جہاز کی رفتار پچھتر میل فی گھنٹہ کر دی گئی ہے۔ مجھکو چاند

کی سطح بہت صاف نظر آرہی ہے۔ یہ وہی سرزین ہے۔
جسے سائنس دان ”طفانوں کے سمندر“، کے نام سے موسوم
کرتے ہیں۔ عجیب نظارہ ہے پرہول بھی اور دلکش بھی۔
لیجئے اب بلندی صرف دو ہزار فیٹ رہ گئی ہے۔ جہاز کی
رفتار چالیس میل فی گھنٹہ ہے۔ مجھے اس سفر میں بحمدالله
کسی قسم کا حادثہ پیش نہیں آیا۔ خدا نے چاہا تو میرا جہاز
حسب توقع آہستگی کے ساتھ چاند پر آتر جائے گا۔۔۔۔۔ اب
میں ایک ہزار فیٹ سے بھی کم بلندی پر ہوں۔ جہاز کی
رفتار بتدریج بہت کم کی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ لیجئے اب میں
صرف سات سو فیٹ چاند کی سطح سے بلند ہوں۔۔۔۔۔ پانچ سو
فیٹ۔۔۔۔۔ رفتار دس میل فی گھنٹہ۔۔۔۔۔ صرف اڑھائی سو فیٹ
سو فیٹ۔۔۔۔۔ الحمدالله کہ میرا خلاں جہاز صحیح
سلامت چاند کی سطح پر آٹر گیا ہے۔۔۔۔۔ اس وقت پاکستانی
گھریلوں کے مطابق رات کا ایک بج کر اڑتا لیس منٹ اور
چار سیکنڈ آئے ہیں۔ پاکستان زندہ باد!

جلسے کے تمام شرکا نے جو دم سادھے بیٹھے تھے اور
جنکے دل کی دھڑکن پل پل میں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی
تھی ایک ساتھ اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ ریڈیو سے خلا
پیما کی آواز سنائی دینی بند ہو گئی۔ اور آسکے بعد جائے قومی
ترانہ بجنا شروع ہوا۔ سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔
جب ترانہ ختم ہوا تو جلسے کا پنڈال تالیوں کے شور اور نعرہ
ہائے تحسین و آفرین سے گونج آٹھا۔ غیر ملکی سفیر، سائنس
دان اور اہل دانش اپنی نشستوں سے اٹھے اٹھے کر ارباب

حکومت کے پاس جانے آن سے مصافحہ کرنے اور آنہیں مبارک باد دینے لگے۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ اس کے بعد ریڈیو سے پھر پہلے کی طرح گھرگھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ سب سہماں جلدی سے پھر اپنی اپنی جگہ آبیشہر ابکے کیپٹن آدم خان کی آواز پہلے سے بھی زیادہ صاف سنائی دی :

”ابھی ابھی میں نے اپنا قومی پرچم ”طوفانوں کے سمندر“ کی سرزمین پر گاڑ دیا ہے۔ چاند کی سطح جمی ہوئی بھوبل کی طرح ہے، کہیں سخت کہیں نرم مگر آس میں پاؤں نہیں دھستے جا بجا دراڑیں اور گڑھے ہیں۔ کہیں کہیں یہ گڑھے بہت بڑے بڑے ہیں جیسے آتش فشاں پھاڑوں کے دھانے ہوں۔ پرچم گاڑنے کے مقدس فریضے سے فارغ ہو کر میں نے سب سے پہلے آسکرے سائے میں آس خدائے لم یزل کے حضور نماز شکرانہ ادا کی جسکرے فضل و کرم سے آج ہمارے ملک نے اپنا صحیح مقام پالیا ہے۔ اور اب وہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور ممالک کی صفت میں شامل ہو گیا ہے۔ پاکستان پائندہ باد !“

جلسے کا پنڈال ایک مرتبہ پھر نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے گونج آٹھا۔ جب شور تھما تو خلا پیما کی آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی :

”آپکو یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ چاند میں دو ہفتے کا دن ہوتا ہے اور دو ہفتے کی رات۔ یہاں اس وقت دن ہے جس کو شروع ہوئے ہمارے حساب سے تقریباً چھتیس گھنٹے

گزر چکرے ہیں۔ میرے پاس اتنی آکسیجن موجود ہے کہ
میں یہاں چاند کا پورا ایک دن بسر کر سکوں۔ اور میرے
خلائی چہاز میں اتنا ایندھن ہے کہ وہ مجھے بفضل خدا
خیر و عافیت کے ساتھ وطن پہنچا سکے.....

”لیجئے اب میں آپ سے یہاں کے گرد و پیش کے حالات
اور اپنے مشاهدات بیان کرتا ہوں.....“

ابھی سپیدہ سحر نمودار نہیں ہوا تھا کہ کراچی سے
سینکڑوں میل دور ایک قصبے کی چھوٹی سی مسجد میں ایک
ملا صاحب نماز فجر کے بعد نمازوں سے کمہ رہے تھے:

”ابھی ابھی میں نے اپنے ٹرانسیسٹر پر یہ اعلان سنا
ہے کہ پاکستان کا کوئی مردود شخص چاند پر پہنچ گیا ہے
خدا آسکو غارت کرے۔

”برادران اسلام- یہ صریح کفر ہے کہ جن اشیاء پر مشیت
ایزدی نے اسرار و رموز کے حجاب ڈال رکھے ہیں آنھیں سائنس
اور نام نہاد ترقی کے نام پر بے تقاب کیا جائے۔

”بھائیو۔ ہم نے اپنی اس چھوچھوڑی حرکت سے باری
تعالیٰ کی جناب میں سخت گستاخی کی ہے۔ میرا دل گواہی
دے رہا ہے کہ عنقریب ہم پر خداۓ قہار کا غضب نازل
ہونے والا ہے.....“

گاؤں اور قصبوں ہی کے نہیں شہروں کے ملاؤں میں
بھی اس خبر سے ہلچل مچ گئی۔ چنانچہ ایک شہر کی درسگاہ
میں ایک ملا صاحب جو درپرده شعر و سخن کا بھی مذاق
رکھتے تھے، یوں نکتہ سنج تھے :

”باری تعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا کر بھیجا اور یہ اختیار بخشنا کہ جا وہاں جو جی میں آئے کرتا پھر۔ مگر انسان کا ناشکراپن اور آسکی ہوس ملک گیری دیکھو کہ آسے زمین کی لامحدود وسعتیں اپنے اعمال و افعال کے لئے تنگ معلوم ہوئیں۔ اور اس نے اپنے خالق ہی کے آستانہ خاص، آسکی آسمانی مملکت ہی پر جو چاند سورج اور ستاروں پر محیط ہے، غاصبانہ قبضہ جمانے کی ٹھان لی ہے ...

”اَللّٰهُ اَللّٰهُ ! انسان کے جنون نخوت کا کچھ ٹھکانہ ہے کہ آس نے فرشتوں کو تو صیدزوں قرار دیکر چھوڑ دیا اور خود یزدان ہی پر کمندیں پھینکنی شروع کر دیں - نعوذ بالله من ذالک... ...“

اور پھر اگلے جمعہ کو دارالسلطنت کی وسیع جامع مسجد میں جہاں هزاروں مسلمان نماز جمعہ کے لئے جمع ہوئے تھے شہر کے ایک شیوه بیان خطیب لکار لکار کر اپنے خطبہ میں کہہ رہے تھے:

”مسلمانو۔ تمہاری درسگاہوں میں جو شیطانی علوم پڑھائے جا رہے ہیں جانتے بھی ہو آنکا لب لباب کیا ہے؟ آنکا لب لباب یہ ہے کہ مادہ مثل ذات باری تعالیٰ ازلی ہے۔ یا ذات باری تعالیٰ (نعموذ بالله) خود مادی ہے۔ تم نے دیکھا ان علوم نے رفتہ رفتہ کیا گل کھلا لیا! میرا اشارہ تسخیر قمر کی طرف ہے جسکی خبر تم نے ریڈیو پر سنی اور اخباروں میں پڑھی ہوگی۔ ہماری حکومت جو مغرب کی پیروی میں لا دینیت کا

شکار ہو گئی ہے اپنی اس کامیابی پر پھولی نہیں سماتی حالاں کہ یہ سخت کافرانہ و ملحدانہ فعل ہے جس کا مرتكب شریعت کی رو سے واجب القتل ہے.....

”مسلمانو - آج ہر طرف فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ زمین فتنہ و فساد کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے۔ بے دینی بے غیرتی، بے حیائی، فحاشی، عیاشی اور کفر و الحاد کا دور دورہ ہے۔ اللہ کا کلمہ نیچا اور کفر کا بول بالا ہو رہا ہے۔ زنا کاری، شراب خواری اور قمار بازی دھڑے سے ہو رہی ہے۔ آلات لہو و لعب اور ناج گلنے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ عورت کی آنکھ سے حیا اور جسم سے لباس کی قید آٹھ گئی ہے۔ یہ ساری علامتیں قرب قیامت کی ہیں

”مسلمانو - وہ وقت جلد آنے والا ہے جب کلام اللہ دلوں، زبانوں اور کاغذوں سے آٹھا لیا جائے گا۔ زمین جا بجا شق ہو جائیگی۔ سمندر آبل پڑیں گے۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا سے ریت کی طرح آڑنے لگیں گے۔ گرد و غبار اور آندھیوں سے جہان تیرہ و تار ہو جائیگا۔ آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے.....

”مسلمانو - جاؤ گاؤں گاؤں قریہ قریہ شهر شهر لوگوں کو خبردار کردو کہ انسان من حیث القوم توبہ و استغفار کر لے کیونکہ قیامت آنے والی ہے.....“

اور اس طرح ملاؤں نے اپنی لسانی اور زور خطابت سے عوام کو قرب قیامت کا ایسا یقین دلادیا کہ ہر شخص

ڈرا ڈرا سہما سہما نظر آنے لگا۔ حکومت کے خلاف ہر طرف ایک بد دلی سی پھیلنے لگی۔ ملاؤں کی تحریک روز بروز زور پکڑنے لگی۔ ملک بھر میں جگہ جگہ پہلے چھوٹے چھوٹے پھر بڑے بڑے جلوس نکلانے لگے۔ اسی طرح ان کے جلسوں کے شرکا کی تعداد بھی جلد جلد بڑھنے لگی۔ جلد ہی دارالسلطنت میں ایک بھاری جلسہ منعقد کیا گیا جس میں حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی:

”پاکستان کے عوام موجودہ نظام حکومت کو سخت کافراذہ اور فاسد اصولوں پر قائم تصور کرتے ہیں جس سے ہولناک نتائج نکلنے کا شدید خطرہ درپیش ہے۔ اس لئے وہ مطالبه کرتے ہیں۔ کہ اس نظام کو فوراً بدل جائے۔ اور اس کے بجائے ملک میں قانون خداوندی رائج کیا جائے۔“

اس قرارداد نے یک ییک ارباب حکومت کو جیسے جہنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جب تک ملاؤں کی تحریک تسخیر قمر کی مخالفت تک محدود رہی تھی، آنہوں نے آسے قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ شروع شروع میں آنکے پاس اس طرف دھیان دینے کیلئے وقت بھی نہ تھا۔ آنکی توجہ تو تمام تر آس خراج تحسین کو وصول کرنے میں لگی ہوئی تھی جو ساری دنیا اس، حیرالعقلوں کامیابی اور سائنس میں آنکی پیش روی پر آنہیں ادا کر رہی تھی۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتا چاہتے تھے کہ اسکا عالمی سیاست اور خصوصاً همسایہ ممالک پر کیا اثر پڑا ہے۔ وہ ظاہر میں

کیا کہتے ہیں اور درپرداز کا رد عمل کیا ہے۔

چنانچہ ملاؤں کی اس تحریک پر عام طور پر خیال کیا گیا کہ ان لوگوں کا کیا ہے۔ یہ تو سائنس کے ہر نئے انکشاف، ہر نئی اختراع کی شروع شروع میں ایسے ہی مخالفت کیا کرتے ہیں۔ مگر پھر رفتہ رفتہ خود ہی اسکو قبول کر لیتے اور اپنے تصرف میں لانے لگتے ہیں۔ چنانچہ آج بڑے بڑے خرقہ و عمامہ والے ملاؤں میں سے شاید ہی کسی کا گھر ٹیلیفون، ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے خالی ہوگا۔ یا آن میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جو دینی نشریات میں اپنے لئے وافر حصے کا طابگار نہ ہو۔ یا جو کسی سرکاری یا قومی دورے کے سلسلے میں ہوائی جہاز کو نقل و حرکت کے دوسرا ذرائع پر ترجیح نہ دیتا ہو۔

اور تو اور آج مساجد تک میں لاوڈ اسپیکر جسے یہ لوگ تلفظ کی سہولت کے لئے ”آلہ مکبر الصوت“ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اذان، خطبہ اور دینی تقریبات کی تشمیر کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اسلئے عجب نہیں کہ چند ہی روز میں وہ تسخیر قمر کو بھی قبول کر لیں۔ اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ جب کبھی چاند میں سب سے پہلی مسجد کے افتتاح کا موقع آئے تو ہر ملا اس مقدس فرضہ کے ادا کرنے کا خود کو دوسروں سے کہیں زیادہ اہل ظاہر نہ کریگا۔

لیکن اب جو اس تحریک نے ایک نیا ہی رنگ اختیار کر لیا تو ارباب حکومت کو سخت تشویش ہوئی۔

اور آنہوں نے اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے حکومت کا موقف واضح کرنے کی کوشش کی ۔ اسی سلسلے میں ایک مفکر سے ”سائنس اور اسلام“ کے عنوان سے ریڈیو پر ایک زوردار تقریر بھی نشر کرائی ۔ جس میں مفکر نے کہا :

”همارے ملا صاحبان سائنس کو کفر و الحاد سے تعییر کرتے ہیں ۔ اور اسکے درس و تدریس کو گناہ قرار دیتے ہیں ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قران حکیم میں جابجا ارشاد فرمایا ہے کہ کائنات کو مسخر کرو ۔ ہواؤں پر حکم چلاؤ ۔ چاند اور سورج کی شعاعوں کو اپنی گرفت میں لاو ۔ زمین کے سینے سے آسکرے ان گنت خزانے نکالو ۔ اور سمندر کی طوفانی موجودوں کو تابع فرمان بناؤ.....تسخیر قمر ان ہی ارشادات خداوندی کی تعمیل کی ایک کوشش ہے.....“

ایک پمبلٹ میں جسکا عنوان ”برچھی سے ایشم ہم تک“ تھا، مضمون نگار نے موجودہ زمانے کے تقاضوں پر یوں روشنی ڈالی:

”حضور سرور کائنات کے زمانے میں تیر اندازی، شمشیر زنی اور شہسواری کی مہارت مسلمانوں کے لئے ایک مقدس فریضے کی حیثیت رکھتی تھی ۔ کیونکہ اس سے دینِ حق کی حفاظت مقصود تھی ۔ اگر آنحضرت صلعم موجودہ زمانے میں ہوتے اور دیکھتے کہ کس طرح باطل کی قوتیں چاروں طرف سے اسلام کو اپنے نرغے میں لینا چاہتی

ہیں تو وہ آن سے نبرد آزما ہونے کیلئے ٹینک اور ہوائی جہاز تو کیا راکٹ، میزائل بلکہ ایٹم بھم تک کے استعمال کو ہر مومن کے ایمان کا جزو قرار دیتے.....”

مگر ملاؤں کی تحریک اب اسقدر زور پکڑ چکی تھی کہ محض بیانات سے اس کا مداوی ہونا مشکل تھا ۔

آدھر جب کیپن آدم خان چاند کی مهم سر کر کے اپنے خلائی جہاز سمیت صحیح سلامت وطن واپس پہنچ گیا ۔ تو آسکی بڑی آؤ بھگت کی گئی ۔ آسے قومی ہیرو قرار دیا گیا ۔ آس کا استقبال ایک فاتح کی حیثیت سے کیا گیا ۔ اور آسکے فوجی مناصب میں جادہ جلد ترقی دیکر آسے پہلے میجر اور پھر کرنیل بنا دیا گیا ۔ علاوه ازین ملکی و غیر ملکی اخبارات میں آسکی ان گنت تصویریں اور انٹرویو چھاپے گئے ۔ ایک تصویر جو خاص طور بر بڑی مقبول ہوئی آس موقع کی تھی جبکہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی پاکستانی خلاف پیما کی اس عدیم النظیر بہادری پر وفور جذبات سے مغلوب ہو کر آس کا مہنہ چوم رہی تھی ۔ ہر چند اس میں بڑا معصوم سا جذبہ کار فرما تھا ۔ مگر ملاؤں نے جو آدم خان کو مردود اور گردن زدنی سمجھتے تھے، اسے کچھ اور ہی معنی پہنا کے خوب خوب آچھا لانا ۔ اور اسی سلسلے میں حزب اختلاف کے بعض اراکین سے ساز باز کر کے قومی اسمبلی میں ایک تحریک التوا بھی پیش کروا ڈالی ۔

اس سے ملک میں اور بھی انتشار پھیل گیا ۔ ملاؤں

کے حوصلے پہلے سے بھی بڑھ گئے - اور آنہوں نے جلد ہی اپنا ایک ملک گیر کنونشن منعقد کر ڈالا - جس میں متفقہ طور پر حکومت کے ارباب حل و عقد سے مطالبہ کیا گیا - کہ چونکہ وہ کافر و بے دین ہیں - اور مملکت خداداد پاکستان کی سربراہی کی اہلیت نہیں رکھتے، اس لئے ان کو فوراً مستعفی ہو جانا چاہئے -

جس عظیم الشان جلسے میں یہ قرار داد پیش کی گئی آس میں بڑی بڑی جوشیلی تقریریں سنتے میں آئیں - ایک ملا صاحب حاضرین سے یوں خطاب کر رہے تھے :

”حیف صد حیف کہ ارباب حکومت نے ہماری تنبیہ کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی - لیکن دوستواب تنبیہات کا وقت گزر چکا ہے اور وہ ساعت آپہنچی ہے کہ ملک کی زمام کار ملحدوں اور خدا کے باغیوں سے چھین لی جائے - اور حکومت کی سربراہی مومنین اور صالحین کے ہاتھوں میں ہو - پس اے مسلمانو آئھو - اس کافرانہ تہذیب کے علم برداروں سے عنان اقتدار چھین لو - اور چار دانگ عالم میں دین الہی کا ڈنکا بجا دو“

”کیا تم جانا چاہتے ہو کہ ہم کیسی حکومت چاہتے ہیں؟ آؤ میں تمہیں اسکی ایک جھلک دکھاؤ۔ اس حکومت میں کوئی فقیر نہیں ہوگا، لاوارثا نہیں ہوگا کیونکہ یہ حکومت خود آس کا مائی باپ ہوگی - زمین کا مالک اللہ اور صرف اللہ ہوگا۔ نہ مزارع ہوگا نہ زمیندار.....اگر

ایسی بادشاہت چاہتے ہو تو مسلمانوں اس زور سے نعرہ تکبیر لگاؤ کہ ایوانِ کفر کے درویام متزلزل ہو جائیں۔

اور واقعی حاضرین جلسہ نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ دور دوڑ تک راہگیر چلتے چلتے تھم گئے۔ اور گردنیں آٹھا آٹھا کے دیکھنے لگے کہ یہ شور کیسا ہے!

اسکے بعد ایک چھوٹے سے قد کے ملا جنکی تقریر کا موضوع ”فی سبیل اللہ جہاد“ تھا بڑے جوش سے اچھل اچھل کر کہنے لگے:

”هم اللہ کے سپاہی ہیں۔ حکومت نے ہم کو سمجھا کیا ہے۔ وہ ہماری طاقت سے ہے خبر ہے۔ اگر ہم نہ چاہیں تو نہ کہیں شادی بیاہ ہو، نہ میت کی تجمیز و تکفین عمل میں آئے۔ حکومت لاکھ اعلانات کرتی پھرے میں کہتا ہوں دوریہنیں لگا لگا کے دیکھئے۔ ہوائی جہازوں میں بادلوں سے آوپر آوپر پرواز کرے۔ ٹیلیفون کے ذریعے دوسرے شہروں سے شہادتیں فراہم کرائے مگر جب تک ہم اپنی ان گناہگار آنکھوں سے ہلال کو نہ دیکھ لیں نہ عید کی خوشی ہو نہ محرم کا سوگ۔ حکومت اس باب میں بارہا ہم سے مستھنہ ہو کر ہماری طاقت کا اندازہ کر چکی ہے.....“

جب یوں کھلمن کھلا نعرہ بغاوت بلند ہونے لگے تو کون حکومت اسے ٹھنڈے پیشوں گوارا کر لیگی! چنانچہ ان تمام مقررین کو جنمہوں نے اس جلسے میں اشتغال انگیز

تقریبیں کی تھیں ، نقص امن کے خطرے کے تحت راتوں رات ان کے ٹھکانوں سے گرفتار کر لیا گیا - اور ملک بھر میں دفعہ ۱۳۲ (ایک سو چوالیس) نافذ کردار گئی جسکی رو سے لاٹھیوں، تلواروں، برچھی بھالوں اور دوسرے ہتھیاروں کو لیکر چلنا، اینٹ پتھر تیزاب اور سوڈے کی بوتلوں کو دنگے فساد کی غرض سے جمع کرنا، پانچ یا زیادہ اشخاص کا اکھٹا ہونا منوع قرار دیا گیا -

ان گرفتاریوں نے اور بھی آگ بھڑکا دی - حکومت کے اس فعل کو مداخلت فی الدین سمجھا گیا - لوگ اپنے مذہب سے خواہ کتنے ہی بیگانہ کیوں نہ ہوں، مگر ایک مرتبہ جب آن کو یقین دلا دیا جائے کہ یہ آن کے دین کی حرمت کا سوال ہے - تو یکبارگی آنکے مذہبی احساسات بیدار ہو جاتے ہیں - اور وہ ایک جنون کی سی کیفیت میں دین کی خاطر جان تک دے دینے سے دریغ نہیں کرتے - یہی حال اس تحریک کا ہوا - عوام میں ہر طرف ناراضگی پھیل گئی لیکن چونکہ جلسوں جلوسوں پر پابندی عائد تھی اور وہ برملاء غم و غصے کا اظہار نہ کر سکتے تھے اس لئے وہ ایک ایک دو دو کر کے مسجدوں میں پہنچنے لگے - اور خود کو ملاؤں کی تحریک سے وابستہ کرنے لگے - رفتہ رفتہ تمام مسجدیں سیاسی کارروائیوں کا مرکز بن گئیں - دن رات رہنماؤں میں مشورے ہونے لگے - نمازوں کو کھلم کھلا سرکشی پر آمادہ کیا جانے لگا - جب ملاؤں کو یقین ہو

گیا کہ عوام پورے طور پر ہمارے ساتھ ہیں تو آنہوں نے ایک خاص دن ان گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ اعلان میں کہا گیا۔ کہ آس روز سارے ملک میں ہڑتال کی جائیگی۔ اور حکومت کی نافذ کردہ دفعہ ۱۳۲۲ (ایک سو چوالیس) کو توڑنے کے لئے شہر کی ہر مسجد سے نماز فجر کے بعد جتھے روانہ ہونگے جن میں شرکا کی تعداد پانچ سے کسی صورت میں کم نہ ہوگی۔

یوم احتجاج کی صبح کو ابھی اندھیرا ہی تھا کہ حکومت نے شہر کی تمام چھوٹی بڑی مساجد کے باہر پولیس کی بھاری جمعیتیں متعین کر دیں۔ حسب اعلان نماز فجر کے بعد نمازیوں کے جتھے مسجدوں سے نکلنے شروع ہوئے۔ ہر شخص کو پہلوں کے ہار پہنائے گئے تھے۔ اور آس کے کپڑوں پر عرق گلب چھڑ کا گیا تھا۔ پولیس نے ان لوگوں کو دھڑا دھڑا گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر ملک کے طول و عرض میں دس ہزار سے اوپر گرفتاریاں عمل میں آچکی تھیں۔ پھر بھی ان جتھوں کے کم ہونے کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ لوگ تھے کہ خود کو گرفتار کرانے کے شوق میں جوک در جوک چلے آتے تھے شہروں سے، قصبوں سے، دیہات سے۔ بعض سروں پر کفن باندھے ہوئے تھے، بعض درود شریف پڑھتے جلے آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جوالا مکھی پہاڑ پہٹ پڑا ہے جس سے انسانی لاوا بہتا چلا آرہا ہے۔

یہ تو تھا دفعہ ۱۳۲۲ (ایک سو چوالیس) کے توڑنے

والوں کا حال - اب ہڑتال کرانے والوں کا ماجرا سنئے -
یہ لوگ جن میں بہت سا عنصر غنڈوں اور آوارہ گرد
لڑکوں کا شامل ہو گیا تھا، صبح ہوتے ہی بازاروں اور
گلی کوچوں میں چکر لگانے لگے - رضاکاروں نے گذشته رات
ہی کو شہر کے ہو حصے میں لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے
ہڑتال کا اعلان کر دیا تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے
دکاندار فساد کے ڈر سے گھروں ہی سے نہ نکلے - اور اگر
کچھ لوگوں نے پولیس کے اصرار اور حفاظت کی یقین دھانی
پر دکانیں کھولیں بھی - تو ہڑتالیوں کے مشتعل گروہ فوراً
موقع پر پہنچ گئے - اور لوٹ مار کی دھمکی دیکر دکانوں
کو بند کرا دیا - اگر کہیں پولیس نے مزاحمت کی تو آس
پر اینٹیں اور پتھر برسائے گئے - پولیس نے پہلے زیادہ سختی
اختیار نہ کی - جب اسکے سماجے بجهانے سے هجوم منتشر
نہ ہوتا - تو وہ ہلکا سا لاثوی چارج کر دیتی - لوگ ادھر
آدھر بکھر جاتے - لیکن تھوڑی ہی دیر میں پھر آ موجود
ہوتے - رفتہ رفتہ دونوں طرف تندی اور درشتی پیدا ہونے
لگی، حالات نازک صورت اختیار کرنے لگے -

یہ ہڑتالی دکانیں ہی بند نہیں کرا رہے تھے بلکہ
بسوں ٹیکسیوں اور رکھشاویں کو روک بھی رہے تھے -
ان ہنگاموں میں دو بسوں اور آٹھ رکھشاویں کو جلا دیا
گیا - جن بسوں کے شیشے توڑے گئے - آذکا تو کچھ حساب
ہی نہ تھا -

کچھ لوگوں نے سرکاری دفتروں اور غیر ملکی سفارت

خانوں کا رخ کیا - اور انہیں آگ لگانے لگے - حکومت
کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا - جب پولیس کا لائٹھی چارج
اور آنسو گیس اس سیلاپ کو نہ روک سکا - تو آسے گولی
چلانے کا حکم دیا گیا - اور جب صورت حالات پولیس کے
قابل سے باہر ہو گئی - تو فوج بلوائی گئی - یہی واقعہ کئی
شہروں میں پیش آیا - ہر جگہ کرفیو لگا دیا گیا - مگر
فتنه و فساد اور بلووں کا سلسلہ ختم نہ ہوا - شام ہوتے
ہوتے تقریباً پچاس ہزار رضاکار گرفتار ہو چکے تھے - اور
سینکڑوں جانیں آتشیں اسلحہ کی نذر ہو گئی تھیں



ملاؤں نے روئے زمین پر خدا کی بادشاہت کا جو تصور پیش کیا تھا وہ اب حقیقت بن چکا ہے۔

پچھلی حکومت کے مستعفی ہونے کے بعد سب سے پہلے بالغ رائے دہندگان کے ووٹوں سے ایک امیر چنا گیا۔ اور آسے دنیا پر خدا کے نائب کی حیثیت دی گئی۔ انتخاب کا مسئلہ بڑا ہنگامہ خیز ثابت ہوا تھا۔ اور سارا ملک جیسے ایک بحران کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ مگر شکر ہے کہ بالآخر یہ مصیبت ٹل گئی۔ ہوا یہ کہ جب تک ملا صاحبان حکومت سے برسر پیکار رہے، آن میں اتحاد بھی رہا اور یک جمہتی بھی۔ مگر جیسے ہی عام انتخاب منعقد کرنے کا اعلان ہوا ہر شخص حصوں اقتدار کیلئے مضطرب ہو گیا۔

ملک بھر میں بہت سی جماعتیں الیکشن لڑنے کے لئے آئھ کھڑی ہوئیں۔ ہر جماعت نے اپنا اپنا لائحہ عمل، اپنے اپنے قواعد و ضوابط اور اپنی اپنی مخصوص وردی وضع کر لی۔ اور پھر جتھے بننا بننا کر اپنے اپنے امیر کے گن

گاتی گئی کوچے کوچے پھرنے لگی - جلسے جلوس، پوسٹر بازی غرض وہ وہ هنگامے ہوئے کہ باید و شاید - الیکشن میں جن جماعتوں نے بڑھ کر حصہ لیا آن میں سبز پوش، سرخ پوش، نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش اور سفید پوش خاص طور پر قابل ذکر تھیں - مخرا الذکر جماعت زیادہ تر دیہاتیوں پر مشتمل تھی -

اس الیکشن میں جو خوش نصیب ملا برسر اقتدار آیا وہ سبز پوشوں کی جماعت کا امیر تھا - زبان و قلم کا دھنی - آتش بیان، زود رقم آس نے اپنے خطبوں اور پیغاموں سے ملک میں ہلچل سی میجادی - اور اپنی آواز کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا - غرض اس زور شور سے پروپیگنڈا کیا کہ انتخاب میں سب سے زیادہ ووٹ آسی کو ملے - اور سرخ پوش، نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش اور سفید پوش آمیدوار منہ دیکھتے ہی رہ گئے -

سبز پوشوں کے امیر نے انتخاب میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سوچا کہ ان مخالف جماعتوں کے نمایندوں کو مجلس شوریٰ میں شامل کر لینا بہتر ہو گا - اس طرح ایک تو آنکی اشک شوئی ہو جائے گی - دوسرے وہ ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے سے باز رہیں گے -

امیر نے کہا: ”الگ الگ رنگ بجائے خود کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے - لیکن جب یہی رنگ یکجا ہو جائے ہیں تو دیکھو کیسی خوبصورت دھنک بن جاتی ہے۔“

یہ مصالحت بڑی کار آمد ثابت ہوئی ۔ چنانچہ مجلس شوریٰ، جس کا کام آمور سلطنت میں امیر کو مشورت دینا تھا پوری قوم کی نمائندہ بن کر اپنا کام بڑی دل جمعی کے ساتھ انجام دینے لگی ۔ امیر نے مجلس شوریٰ کے اجلاس اور دیگر انتظامی آمور سر انجام دینے کے لئے شہر کی جامع مسجد کو پسند کیا ۔ اور اسی کے ایک حجرے میں بود و باش اختیار کی ۔ چنانچہ دن رات جامع مسجد میں مجلس شوریٰ کے جلسے ہونے لگے ۔ اور حکومت کا اصلاحی اور تعمیری کام بڑی سرگرمی سے شروع ہو گیا ۔

مجلس شوریٰ نے سب سے پہلے اپنی توجہ اس امر پر مرکوز کی کہ پچھلی حکومت کے زیراثر معاشرے کے رگ و پے میں مغربی تہذیب و تمدن کا جو زهر سرایت کر گیا ہے اُس کو زائل کیا جائے ۔ چنانچہ تمام انگریزی طور طریقے، لباس، آداب معاشرت یک قلم موقوف کر دئے گئے ۔ بلکہ اس اقدام کو زیادہ موثر بنانے کے لئے ”نه رہے بانس نہ باجے بانسری“ کے مصدق انگریزی زبان کی تحصیل ہی کو نصاب تعلیم سے خارج کر دیا گیا ۔

ملک کی زمام کار امیر نے خود اپنے ہی ہاتھ میں لی ۔ اور پچھلی حکومت کے انتظامی امور کے طریقے، سکرٹریٹ اور اسکے ماتحت جملہ شعبے منسوخ کر دئے گئے ۔ اور آنکی پچھلی فائیلوں اور تمام ریکارڈز کو نذر آتش کر دیا گیا ۔ البتہ پولیس اور چنگی کے محکمے بحال رکھے گئے ۔

تمام اسکول کالج اور یونی ورسٹیاں اور مروجہ طریق تعلیم منسوخ کر دیا گیا۔ اور آسکے بجائے دینی مدرسے قائم کئے گئے۔ جو عموماً مسجدوں سے ملحق ہوتے تھے۔ ان مدرسوں میں فتنہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم شرعیہ اور فن قرات کی تعلیم دی جانے لگی۔ ملک کا رسم الخط عربی قرار پایا۔ اور ایک ایسا منصوبہ بروئے کار لایا جانے لگا کہ ایک معینہ مدت کے اندر سارے ملک کی زبان عربی ہو جائے۔

فن خوش نویسی کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی گئی نسخ، خط کوفی اور طغری کی تعلیم کے لئے ماہر خوش نویسوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ علاوہ ازین ایک بڑا مدرسہ فن حرب اور سپہ گری کی تعلیم کے لئے بھی کھولا گیا۔ جس میں تلوار، نیزے، گرز اور برجھی بھائے کے استعمال کے گر سکھلانے جانے لگے۔

عورتوں کی وہ تمام آزادیاں اور بے پردگیاں جنکی ہبھلی حکومت نے کھلمے بندوں اجازت دے رکھی تھی کلیتہ ختم کر دی گئیں۔ علاوہ ازین آنہیں بے حیجا بانہ گھر سے باہر نکلنے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ پھر چونکہ بقول ملا نہ تو عورتوں کو مملکت کے انتظامی مناصب دئے جاسکتے تھے اور نہ وہ عہدوں ہی پر فائز ہو سکتی تھیں اس لئے آنکے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی۔ آنکے لئے تو بس اتنا ہی کافی سمجھا گیا۔ کہ وہ عام آصول دین اور آمور خانہ داری جان لیں یا زیادہ سے زیادہ دھوپی کے کپڑوں کا حساب رکھ سکیں۔

مجلس شوریٰ نے دوسرا اصلاحی قدم عدالتوں کے باب میں آٹھا یا - وکالت کے پیشے کو تو ختم ہی کر دیا گیا کیونکہ وکلا جان بوجھ کر حقائق کو چھپاتے اور اپنے پرفریب دلائل سے منصف کو گمراہ کرتے ہیں - اور یہ اسلامی روایات کے راسرو منافی ہے - کورٹ فیس ختم کر دی گئی - کیونکہ اس سے سائل پر مفت کا بار پڑ جاتا ہے۔ اور وہ اکثر کورٹ فیس کی رقم نہ ہونے کے باعث داد رسی ہی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی جج اور میجسٹریٹ کے عہدے بھی منسوخ کر دئے گئے - اور انکے بجائے ہر شہر میں مفتی اور قاضی مقرر کئے گئے - اور اس طرح عدالتی نظام کے لئے کسی لمبے چوڑے عملے کی ضرورت ہی نہ رہی -

اراضی کی ملکیت کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جن زمینوں پر لوگوں کا پہلے سے قبضہ ہو، آن پر آنکی مالکانہ حیثیت برقرار رکھی جائے - البته لگان کی شرح جریبوں کے حساب اور اجناس کے لحاظ سے مقرر کی جائے - اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو - اور وہ آس پر تین سال تک کھیتی باڑی نہ کر سکے - یا آسے تعمیر یا کسی اور کام میں نہ لا سکے - تو وہ زمین متروکہ سمجھی جائے گی - اور آسے دوسرا شخص کام میں لے آئے - تو آس پر عرضی دعویٰ نہ ہو سکے گا -

ملک میں جہاں آفتادہ زمینیں تھیں آنکے متعلق اعلان کیا گیا کہ جو شخص انکو آباد کرے آسی کی ملک

ہو جائیں گی - فصل کی پیداوار میں زمیندار اور کاشت کار لگان کی رقم منہا کرنے کے بعد برابر کے حصہ دار قرار دئے گئے -

مجلس شوریٰ نے نماز، روزہ، زکواۃ، قربانی، اور بشرط استطاعت حج بیت اللہ کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا - اور جو ان احکام شرعی کو انجام نہ دے آس کے لئے دروں کی سزا مقرر کی گئی - جائیداد پر، جس میں اراضی، نقدی، زیور، گائیں بھینسیں، اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری شامل تھی، زکواۃ کی شرح مالیت کا چالیسوائی حصہ یعنی اڑھاہی فی صد سالانہ ٹھہری -

مسلمان دولت جمع کر سکتے ہیں - اور آسے کاروبار میں بھی لگا سکتے ہیں - مگر یہ دولت آنکے مرتبے ہی آنکے عزیز و اقارب میں تقسیم کر دی جائے گی - اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو ساری رقم بیت الہال میں جمع کر دی جائیگی -

غیر مسلم رعایا کو ذمی قرار دیا گیا - انکو زکواۃ سے تو مستثنی کر دیا گیا مگر ان پر جزیہ لگایا گیا جو تقریباً ساڑھے تیرہ روپے سالانہ فی کس تھا - البتہ جو ذمی عساکر اسلام میں بھرتی ہونا پسند کریں، آن پر سے جزیہ کی قید آٹھا لی جائیگی - بعض غیر مسلم اقوام نے جزیہ کے خلاف آواز آٹھائی - مگر آن میں جو اہل دانش تھے آنہوں نے اپنے ہم مذہبیوں کو سمجھایا کہ اس طرح ہمارے آسرا اور اہل ثروت کو زکواۃ سے چھٹکارا مل جائیگا جو جزیہ سے کئی گنا زیادہ ہو سکتی ہے اور آنہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا -

جرائم میں چور کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا، غیر شادی
شده زانی اور زانیہ کے لئے سو سو درے اور شادی شدہ کے
لئے سنگساری کی سزا مقرر کی گئی ۔

شہرون اور قصبوں میں جہاں جہاں تھیٹر اور سینما
تفہیم سب کے سب دینی درسگاہوں یا یتیم خانوں میں تبدیل
کر دئے گئے ۔ ہوٹلوں اور کلب گھروں کی جگہ سرائیں
بنادی گئیں ۔ وہ تمام کھیل جن سے مغربیت جھلکتی تھی
مثلاً کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، ٹینس، گولف، بیڈ منشن وغیرہ
بند کر دئے گئے ۔ اور آنکے بجائے شہسواری، نیزہ بازی،
چوگان بازی، تیراندازی کو ازسر نو زندہ کیا گیا ۔ نیز
پہلوانی اور گرز زنی کے فن کو بھی فروغ دیا جانے لگا ۔

اسلحہ سازی کے کارخانے سارے ملک میں وسیع ہیمانے
پر کھل گئے ۔ لوہا اور فولاد ڈھال، تلوار، نیزے، گرز اور
برچھی بھائے کی صورت میں ڈھلنے لگا ۔ مسلم رعایا کے ہر
فرد کو بصورت مرد ایک تلوار اور بصورت عورت ایک
خنجر کا مستحق قرار دیا گیا ۔ چنانچہ جیسے ہی کوئی بچہ
پیدا ہوتا حکومت کے اہلکار تلوار یا خنجر لیکر آسکے گھر
پہنچ جائے ۔ تلوار لباس کا جزو بن گئی ۔ یہاں تک کہ ستے
بھی کمر پر مشک رکھئے پھاؤ سے تلوار لٹکانے گھروں میں
پانی بھرنے لگے ۔ یہی کیفیت دہنیوں اور کھٹ بنوں کی نظر
آنے لگی ۔

جب ملک میں تلوار کی مانگ بڑھی اور لوہے کی کمی

محسوس کی جانے لگی - تو مکانوں کے آہنی پھاٹک اور جنگلے قومی ضرورت کے تحت آکھاڑے جانے لگے - ملک میں آتشیں اسلحہ کا ایک کارخانہ بھی کھولا گیا جس میں بندوقیں، رائفلیں، پستول اور انکے کارتوس اور گولیاں بنائی جانے لگیں - لیکن مجلس شوریٰ نے آتشیں اسلحہ کا استعمال سوانح عساکر حکومت کے رعایا کے تمام افراد کے لئے منوع قرار دیا -

ادب اور شعر و شاعری پر بھی کڑی پابندیاں عائد کر دی گئیں - اور عاشقانہ غزلوں نظموں اور گیتوں کو تو ادب سے خارج ہی کر دیا گیا کیونکہ ان سے ملک کی بھوپیٹیوں کے خیالات پر برا اثر پڑنے کا احتمال تھا - البته حمد و نعمت، رجز، مرثیہ و سلام اور قومی لوریبوں کو شاعری میں افضل ترین درجہ دیا گیا - نافل افسانے اور ڈرامے چونکہ من گھڑت قصے ہوتے ہیں - اور دروغ گوئی کو تقویت دیتے ہیں اس لئے معاشرے میں انکی کوئی گنجائش نہ تھی - اخباروں میں ہر قسم کی تصاویر یہاں تک کہ کارٹون تک چھاپنے بند کر دئے گئے - مصوری سنگتراشی، موسیقی وغیرہ کو فنون لہو و لعب قرار دیکر ان کی بھی کلی طور پر ممانعت کر دی گئی -

کسب معاش میں ایسے تمام وسائلے حرام قرار پائے جن سے لوگ معاشرے کو اخلاقی یا مادی نقصان پہنچا کر روزی پیدا کرتے ہیں - چنانچہ شراب اور دوسری نشه آور اشیاء کا بنانا اور بیچنا، عصمت فروشی اور رقص و سرود کا

پیشہ نیز جوا، گھوڑ دوڑ، سٹہ بازی، لاثری، معتمدہ بازی بند کر دی گئی - چونکہ مسود خواہ کسی بھی شکل میں ہو، حرام ہے اس لئے ملک بھر میں بنک، انشورنس، انعامی بونڈ وغیرہ کے کاروبار قطعاً منوع قرار پائے - بنکوں کی تنسیخ کے بعد دوسرے ممالک سے زر مبادله کے لین دین کے سلسلے خود بخود منقطع ہرگئے - اور اُس کے ساتھ ہی بین الاقوامی منڈیوں میں اجناں کی خرید و فروخت معدوم ہو گئی -

ڈاکٹر اور سرجن کے پیشے بھی ختم کر دئے گئے کیونکہ انکی دواؤں میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے - اسکے بجائے طب یونانی اور جراحی کو حکومت کی سرپرستی میں لینے اور نصاب تعلیم میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا - نرس کا پیشہ موقوف کر دیا گیا -

ان سب پیشوں کو ختم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں لاکھوں اشخاص یہ روزگار ہو گئے - مجلس شوریٰ نے سفارش کی کہ آنہیں زمینیں دے دی جائیں تاکہ وہ کھیتی باڑی کر کے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ مگر مشکل یہ آن پڑی کہ اچھی اچھی اور قابل کاشت زمینیں پہلے ہی سے اور لوگوں کے قبضے میں تھیں - جو باقی بچی تھیں وہ یا تو بنجر تھیں یا ان کی مٹی میں سیم اور تھور کی بہتات تھی - چنانچہ انہیں کھیتی باڑی کے قابل بنانے کے لئے ان لوگوں کو بڑے جتن کرنے پڑے

اور دور دور دریاؤں سے نہریں کھو دکھو د کر پانی لانا پڑا۔

هر شخص کو حکم تھا کہ سیدھا سادھ لباس پہنے اور رہنے سہنے میں سادگی اختیار کرے۔ داڑھی رکھے اور لبیں کتروائے۔ کسی قسم کی شان و شوکت کا اظہار نہ کرے۔ نہ فضول خرچی اور اسراف میں پیسہ ضائع کرے۔ آرام طلبی اور تن آسانی کو ترک کرے۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر شہر کی دکانوں سے تعیش کی ساری چیزیں مثلًا ریفریجریٹر، ائیر کنڈیشنر، واشنگ مشین، بجلی کے پنکھے چولھے، استریاں، چینی کے ظروف اور کراکری کا سامان اٹھوا دیا گیا۔ یہاں تک کہ ٹوٹھ پیسٹ اور دانتوں کے برش تک کو معاشرے سے خارج کر دیا گیا۔ اس کے بجائے مسوواک کے استعمال پر زور دیا گیا۔ کہ اس سے بقول ملا فصاحت بڑھتی ہے۔

علاوہ ازیں عہد حاضر کی تمام اختراعات و ایجادات مثلًا ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلیفون، ٹیپ ریکارڈر، ریکارڈ چینجر، کیمرے وغیرہ کی فروخت پر پابندی لگادی گئی۔ بجلی کی روشنی کا بے جا استعمال جرم ٹھہرا۔ کوکا کولا، پاکولا اور تمام انگریزی طرز کے مشروبات منوع قرار دئے گئے۔

شہر میں جتنی اونچی اونچی عمارتیں تھیں آنکی صرف آتنی ہی منزلوں کو جائز سمجھا گیا جو جامع مسجد کے گنبد و مینار سے نیچی تھیں، باقی منزلوں کو منہدم کرا دیا گیا۔

چونکہ دوسرے ممالک اور خصوصاً مغربی ممالک کے سفیروں کے قیام سے آن کے آداب معاشرت کے برے اثرات اہل ملک کے ذہنوں پر پڑنے کا احتہال تھا اس لئے آن سے کہا گیا کہ آپ یہاں ٹھہرنا کی تکلیف نہ فرمائیں۔ اور آسی وقت تشریف لائیں جب کسی اہم ملکی یا بین الاقوامی نزاع کے سلسلے میں بالمتافہمہ گفت و شنید کی ضرورت ہو۔

مجلس شوریٰ نے مسلمانوں کو ایک مہینے کی سہلت دی کہ وہ اس عرصے میں اپنا شعار اسلامی بنالیں۔ اور متشرع نظر آئیں۔ اسکے بعد جو شخص غیر اسلامی شعار کا نظر آئے گا آسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائیگا۔ وہ چاہے تو کوئی غیر اسلامی مذہب اختیار کرسکتا ہے لیکن اگر وہ مسلم کھلانے پر اصرار کرے گا تو آسے مرتد تصور کر کے سنگسار کر دیا جائے گا۔

پہلے پہل لوگ اپنا ہی ملکی لباس یعنی کرتا پاجامہ شیروانی ٹوبی پہنتے یا پگڑی باندھتے رہے۔ عربی لباس صرف کبھی کبھار پٹڑی پر کھڑے ہو کر طاقت کی دوائیں یہچنے والے نیم حکیموں ہی کے تن پر نظر آتا تھا۔ مگر ایک دن ایک درزی کو جو سوجھی آس نے ایک لمبا دگلا سا کرتا زیب بر کیا۔ اوپر ڈھیلی ڈھالی سیاہ عبا پہن، سر پر ایک بڑا سا سفید رومال رکھ، پیشانی پر سنہرے ریشم کی رسی کے دو تین پیچ دے، بازار میں چل کھڑا ہوا۔

یہ شخص خاصاً شکیل اور بلند قامت تھا۔ یہ لباس

آسکے جسم پر خوب پہبا - چنانچہ کچھ لوگ آسکے پیچھے
پیچھے ہوئے - وہ کوئی تین چار گھنٹے شہر کے مختلف
بازاروں اور چوکوں میں خوب گھوما پھرا - اسکے بعد
اپنی دکان پر آ، لباس آتار، باہر ایک کھونٹی پر لٹکا، نیچے
یہ عبارت لکھ دی کہ یہ عربی لباس یہاں سے صرف
۲۵ (پچیس) روپے میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ پھر کیا تھا لوگ
دھڑا دھڑ آرڈر دینے لگے - ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی
عربی لباس کی مقبولیت ایک دم بڑھ گئی -

ملاؤں کی حکومت کا پہلا سال ہر پاکستانی کے لئے
بے حد صبر آزمایا ٹابت ہوا۔ خود حکومت کو سخت اقتصادی
مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر عوام نے آس کا پورا پورا
ساتھ دیا۔ ملاؤں نے خدا اور رسول کے نام پر اہل وطن
سے جو بڑی سے بڑی قربانی بھی طلب کی، آنہوں نے آس
سے دربغ نہ کیا۔ مصائب آٹھائے مگر آف نہ کی۔ اس کے
ساتھ ہی وہ صوم و صلوٰۃ کے بھی ایسے پابند ہو گئے کہ آن
پر کسی محتسب کے مقرر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔
جدہر دبکھو چھوٹے چھوٹے لڑکے سیاہ عبائیں پہنے چھوٹی
چھوٹی تلواریں کمر سے لٹکائے ٹولیاں بنانا کے ”خنجر ہلال
کا ہے قوسی نشان ہمارا“ گلتے ہوئے نظر آنے لگے۔

نماز کے اوقات میں مسجدیں نمازوں سے اس قدر پر ہو
جاتیں کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی۔ جمہ کے روز ہر
طرف ایسی چھل پہل دیکھنے میں آتی جیسے کسی تمہوار
پر نظر آتی ہے۔

لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے تو اپنی مادری
زبان ہی میں بات چیت کیا کرتے - البتہ غیروں اور
اجنبیوں سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں ہمکلام ہوتے -
آدھر عربی لباس تیزی سے رواج ہا ہی رہا تھا بس ایسا
معلوم ہونے لگا جیسے ملک کو عربستان ثانی بنانے کی
ریہرسل کی جا رہی ہو -

جہاں تک تمذیب مغربی کی تقلید، زناکاری، شراب خواری، قمار بازی، سود اور عورتوں کی بے پر دگی کا تعلق تھا ملاؤں کی حکومت کو ان کی تنسیخ یا ترمیم و اصلاح کے قوانین نافذ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی ۔ کیونکہ ملاؤں کی سبھی جماعتیں سبز پوش، سرخ پوش، نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش، سفید پوش ان کی بیخ کنی پر متفق تھیں ۔ بلکہ ایسے معاملات میں ان کے پیشواؤں میں اس قدر ہم آہنگ پائی جاتی کہ وہ لوگ جو ملاؤں کے مختلف فرقوں میں پھوٹ پڑ جانے کا خدشہ محسوس کیا کرتے تھے، اطمینان کا سанс لینے لگے ۔ کہ بحمد لله ہمارے اندیشے باطل ثابت ہوئے ۔

لیکن رفتہ رفتہ جب اسلام کے بنیادی اصول و عقائد ایمان و تقویٰ کا سوال پیدا ہونا شروع ہوا ۔ تو ان فرقوں میں انتشار و کشیدگی کی فضما پیدا ہونے لگی ۔ یوں تو یہ سبھی فرقے اللہ کو ایک، رسول کو برق اور قرآن کو کلام اللہ سمجھتے تھے ۔ لیکن ان کے جماعتی معتقدات و نظریات ایک دوسرے سے یکسر جدا گانہ تھے ۔ جیسے مختلف رنگوں والے

شیشوں کی عینکوں سے منظر کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ سبز پوش جن باتوں کو حلال سمجھتے تھے، سرخ پوش آنہیں کو حرام - نیلی پوشوں کا جس فقه پر ایمان تھا، پیلی پوشوں کی نظر میں وہ کفر کے متراծ تھا - ہرچند امیر مملکت نے ہر جماعت کو اپنے اپنے اصول و عقائد پر قائم رہنے کی آزادی دے رکھی تھی، ان کی الگ الگ مسجدیں تھیں، الگ الگ طریق عبادت، الگ الگ مدرسے - اور ایک فرقہ دوسرے پر اپنے عقائد مسلط کرنے کا مجاز نہ تھا - پھر بھی جب کبھی مختلف فرقوں کے لوگ کسی اجتماعی تقریب یا قومی جلسے میں یکجا ہوتے - اور تاریخ یا فقه کا کوئی مسئلہ زیر بحث آتا تو گفتگو میں تلغی پیدا ہو ہی جاتی -

جس وقت حکومت نے ایک ادارہ تصنیف و تالیف قائم کیا جس کا مقصد ایک مفصل تاریخ اسلام لکھنا اور رسول اکرم ص خلفائے راشدین اور دیگر اکابر اسلام کے سوانح حیات مرتب کرنا تھا - تو فرقہ دارانہ جذبات اچانک منظر عام پر آگئے - اسکی ابتدا اخبارات سے ہوئی - ایک فرقہ کے اخبار نے اپنے مقالہ افتتاحیہ میں اس مسئلے پر یوں روشنی ڈالی :

”یہ کتب اگر کسی نجی ادارے کی جانب سے شائع کی جائیں - تو ہمیں اس پر چندان اعتراض نہ ہو - قابل اعتراض امر تو یہ ہے - کہ ان پر حکومت کی سہر ہوگی - اور اس طرح یہ پوری قوم کے خیالات کی نمایندہ تصور

کی جائیں گی ۔ اگر حکومت کو یہ کتب شائع کرنا ہی ہیں تو آس کا فرض ہے کہ وہ ہر فرقے کے نقطہ نظر سے ان کے الگ الگ سلسلے شروع کرے ۔

اس پر اخبارات میں ایک طویل بحث چھڑ گئی ۔ بعض اسکے حق میں تھے، بعض اسے اسراف یہ جا تصور کرنے تھے ۔ اور بعض کا کچھ اور ہی نظریہ تھا ۔ یہ مسئلہ کئی روز تک مجاس شوری کے بھی زیرغور رہا اور جب اس کا کوئی مناسب حل نہ مل سکا ۔ تو امیر نے فی الحال تصنیف و تالیف کا کام ہی رکوا دیا ۔ مگر اب ملک کی فضایا مکدر ہونی شروع ہو چکی تھی ۔

بدقسمتی سے آن ہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مختلف فرقوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا ۔ ہوا یہ کہ ایک دن جب سرخ پوش اپنے علاقے کی مسجدوں میں نماز فجر پڑھنے لگئے ۔ تو بعض مسجدوں کی دیواروں پر جلی حروف میں ایسے کلمات لکھے ہوئے پائے گئے ۔ جن سے اس جماعت کے بعض اکابر کی بی حرمتی ہوتی تھی ۔ اس سے سرخ پوشوں کے غصے اور رنج کی حد نہ رہی ۔ آن کا ایک وفد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ امیر نے آسکی شکایت بڑی ہمدردی سے سنی ۔ پھر مجلس شوری سے کہا ۔ کہ اس معاملے کی پوری پوری تفتیش کی جائے ۔ اور مجرموں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے ۔

جب دو دن تک مجرم گرفتار نہ کئے جا سکے ۔ تو تیسرا ہے روز اسی قسم کا واقعہ سبز پوشوں کی مسجدوں

میں پیش آیا۔ سبز پوشوں کو اس امر میں ذرا شک نہ تھا کہ یہ کارروائی سرخ پوشوں نے انتقامی طور پر کی ہے۔ گو سرخ پوش بڑی شد و مدد سے اپنی بریت ظاہر کر رہے تھے۔

آسی روز سبز پوش نوجوانوں نے اپنے غم و غصے کے اظہار کے لئے نماز ظہر کے بعد ایک جلوس نکالنا ضروری سمجھا۔ جب تک یہ جلوس آنکے اپنے محلوں میں گھومتا رہا آس سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ یہاں تک کہ نیلی پوشوں، پیلی پوشوں، سیاہ پوشوں اور سفید پوشوں کے محلوں میں بھی خیریت ہی گزری۔ مگر جیسے ہی یہ جلوس سرخ پوشوں کے علاقے میں پہنچا۔ تو ایک تو وہ بے حد لمبا ہو گیا۔ دوسرے آسکے نعروں میں زیادہ تندی و تلغی پیدا ہو گئی۔ ایک آدھ جگہ اینٹ پتھر پھینکے جانے کی خبر بھی آئی۔ مگر شکر ہے کہ بے بنیاد ثابت ہوئی۔ تاہم دونوں فرقوں کے جذبات سخت مشتعل ہو گئے تھے۔ دونوں طرف کے نوجوان بات بات پر تلواریں سونتے لیتے تھے۔ اس پر حکومت کے لشکریوں کے لئے بیچ بچاؤ کرنا ضروری ہو گیا۔ اس سعی میں تین چار لشکری زخمی تو ہوئے۔ مگر حالات پر قابو پا لیا گیا۔

اگلے روز دونوں فرقوں کے اخباروں نے اس واقعہ پر خوب خوب حاشیے چڑھائے۔ اور ایک دوسرے پر کھلم کھلا چوٹیں کیں۔

امن چین کے چند ہی روز گزرنے پائے تھے کہ ایک

اور واقعہ پیش آیا - جو پہلے سے کہیں زیادہ سنگین تھا -
ہوا یہ کہ ایک رات نماز مغرب کے بعد کوئی شخص سیاہ
پوشوں کی ایک مسجد میں چپکے سے ایک بم رکھ کر چلا
گیا - جب یہ بم پھٹا تو خوش قسمتی سے آس وقت مسجد
میں کوئی نمازی موجود نہ تھا - پس مسجد کا ایک طاق
ہی شہید ہوا -

اس واقعے سے لوگوں کی توجہ سرخ پوشوں اور
سبز پوشوں کے قضیے سے ہٹ کر سیاہ پوشوں کی طرف
منعطف ہو گئی - سیاہ پوشوں کے اخباروں نے چیخ چیخ کر
آہان سر پر آٹھا لیا - وہ کئی روز تک اپنی مسجد کے طاق
کی شہادت کا سوگ منایا کئے - ہمارا تک کہ اُنکے اور
سانحہ اہل ملک کی توجہ کا مرکز بن گیا - ابکے یہ ہوا
کہ پیلی پوشوں کے ایک مجتہد ناز عشاء سے فارغ ہو کر
مسجد سے گھر کی طرف جا رہے تھے - کہ کسی نے ایک
تاریک گلی سے نکل کر آن کی پیٹھے میں خنجر گھونپ دیا -
اور خود فرار ہو گیا - مجتہد کی چیخ سن کر بہت سے
پیلی پوش جمع ہو گئے - کچھ قاتل کی تلاش میں دوڑے -
مگر آس کا کہیں پتہ نہ تھا - مجتہد کو آٹھا کر مسجد
میں لے گئے - مگر آن کی حالت نازک تھی - زخم کاری
لگا تھا - چنانچہ جب فجر کی اذان ہو رہی تھی تو وہ دم
توڑ چکے تھے - پیلی پوشوں کے غیظ و غضب کا کچھ ٹھکانا
نہ رہا - ایک پیلی پوش اخبار نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ
اپنے مجتہد کی شہادت پر بڑا پرزوں اور دردناک مقالہ
لکھا - آس کا مقطع کا بند یہ تھا :

”قاتل کا اب تک گرفتار نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ کسی منظم سازش کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قتل کا منصوبہ پہلے سے بہت سوج سمجھ کر بنایا گیا تھا۔ اس واقعہ سے اس الہ ناک حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ حکومت پیلی پوشوں کے، جو اقلیت میں ہیں، جان و مال کی حفاظت سے قاصر ہے۔“

امیر مملکت نے جنہیں اس واقعہ کا انتہائی صدمہ پہنچا تھا، فوری طور پر مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس کئی دن تک جاری رہا۔ مگر کسی کو کوئی ایسی تدبیر نہ سوجھی جس سے پیلی پوشوں کی اشک شونی ہو سکے۔ اور حکومت کو آن کا اعتہاد پھر سے حاصل ہو سکے۔

اس اجلاس میں مجلس شوریٰ کے ایک رکن نے کہا:-

”ہمارے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ اس قتل کا باس سے قبل کے واقعات کا مرتكب پاکستان کا کوئی باشندہ ہوا ہے۔ اگر وہ پاکستانی ہوتا تو اب تک ضرور آس کا سراغ مل گیا ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریکی کارروائیاں، ملک میں پھوٹ ڈلوانے کی یہ کوششیں ضرور کسی ایسے ہمسایہ ملک کے جاسوسوں کی ہیں جو ہم سے بیرون رکھتا ہے۔ اور ہماری تباہی کے درپے ہے۔ ان دنوں جبکہ آمد و رفت کے وسائل ایسے آسان ہیں نمعلوم کتنے غیر ملکی ایجنسٹ پاکستانیوں کا بھیس بنائے پھر رہے ہیں۔“

کچھ دیر تک اجلاس پر سکوت طاری رہا - اسکے بعد
دوسری رکن بولا: "ہاں یہ ممکن ہے۔ لیکن میں پوچھتا
ہوں کیا ہمارے اخبارات بھی، جو ملک میں انتشار پھیلا
رہے ہیں ہمارے دشمنوں کے ایجنٹ ہیں؟"

اس پر ایک اور رکن نے کہا: "ہم نے مغربی تمذیب
کی بہت سی بدعتوں کو منسوخ کر دیا۔ مگر افسوس اخباروں
کی طرف کسی کا دھیان نہ گیا۔"

امیر نے، جو اپنے ہی خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے
اور اس گفتگو سے بے تعلق معلوم ہوتے تھے، ایک آہ سرد
بھری اور کہا:

"کاش قاتل پکڑا جاتا!"

ملک کی فضماں روز بروز زیادہ بگڑتی جا رہی تھی۔
اب اکا د کا آدمیوں پر حملہ ہونا عام بات ہو گئی تھی۔
اس پر ملک کی تمام جماعتیں اپنی اپنی حفاظت کے لئے
رضاکار بھرتی کرنے لگی تھیں۔ کیونکہ عساکر حکومت
پر سے آن کا اعتماد آٹھتا جا رہا تھا۔ چند ہی دنوں میں
سرخ پوشوں، سبز پوشوں، نیلی پوشوں، پیلی پوشوں، سیاہ
پوشوں اور سفید پوشوں نے ہزاروں کی تعداد میں رضاکار
بھرتی کر لئے۔ ان رضاکاروں کے دستے اپنی اپنی جماعت کے
مخصوص رنگ کی وردیاں پہنے، سوانح بنڈوق کے باقی سب
ہتھیاروں سے لیس، اپنا اپنا پوریرا لہراتے، بڑے بڑے
بازاروں اور چوکوں میں کھلے بنڈوں فوجی مشقیں کرتے

دکھائی دینے لگے ۔ شہر کی تمام دکانیں سرشام ہی بند ہو جاتیں ۔ لوگ گھروں میں پہنچتے تو عافیت کا سانس لیتے ۔ کہیں وقت بے وقت آنا جانا ہوتا تو جتھے بنا بنا کر جاتے ۔

ایک دفعہ ایک بڑے بارونق بازار میں عین روز روشن ایک شخص کی نعش پائی گئی ۔ یہ شخص جو عربی لباس پہنے تھا اوندھے منہ پڑی پر گرا پڑا تھا ۔ آسکی ناک اور منہ سے خون جاری تھا ۔ پل بھر میں سبز پوشوں، سرخ پوشوں، نیلی پوشوں، پیلی پوشوں، سیاہ پوشوں اور سفید پوشوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ۔ سرخ پوش کہتے تھے کہ ہمارے آدمی کو ظالم سبز پوشوں نے مار ڈالا ۔ سبز پوش کہتے تھے کہ ایک غریب سبز پوش، سرخ پوشوں کے کینے کا شکار ہو گیا ۔ چونکہ متوفی کسی خاص فرقے کا لباس پہنے ہوئے نہ تھا، اس لئے نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش، سفید پوش بھی آس پر اپنا حق جتنا لگے تھے ۔ قریب تھا کہ تنازعہ بڑھ جاتا ۔ مگر اتنے ہی میں ایک بے پرده عورت مجمع کو ہٹاتی ہوئی نعش کے قریب پہنچی ۔ اور آسکو پہچان کر آس سے لپٹ گئی ۔ معلوم ہوا کہ متوفی آس کا شوہر تھا ۔ یہ دونوں سکھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے ۔ شوہر عربی لباس پہننے کا بہت شوقین تھا ۔ وہ ادھیڑ عمر تھا ۔ اور کئی پرس سے دل کے مرض میں مبتلا تھا ۔ قیاس کہتا ہے کہ آس پر چلتے چلتے اچانک دل کا دورہ پڑا ہو گا ۔ اور وہ گر کر مر گیا ۔ اور یوں خدا خدا کر کے یہ ہنگامہ فرو ہوا ۔

غرض صورت حال اس قدر نازک ہو گئی کہ امیر نے عساکر حکومت کے نام حکم جاری کر دیا۔ کہ اپنے دستے شہر کے ناکوں پر متعین کردو۔ اور دن رات بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتے رہو۔ اور جہاں مفسدوں اور فتنہ پردازوں کو دیکھو گرفتار کر لو۔ اور اگر وہ مزاحمت کریں۔ تو آنہیں گولی مار دو۔ اس میں کسی فرقے یا جماعت کا لحاظ نہ کیا جائے۔

امیر خود بھی مجلس شوریٰ کے اراکین کے ہمراہ اکثر شہر میں گشت کرتے۔ وہ ہر فرقے کے لوگوں سے ملتے اور آنہیں اتحاد، برد باری اور صبر کی تلقین کرتے۔ اور جو دن بھی خیر و عافیت سے گزر جاتا آس کی شب کو وہ دیر تک جامع مسجد میں سر پسجود رہتے۔ اور خضوع و خشوع کے ساتھ شکرانہ خداوندی ادا کیا کرتے۔

ایک رات وہ جامع مسجد کے صحن میں کچھ زیادہ ہی دیر سجدے میں گرے رہے۔ جب پہلے صبح کاذب اور پھر صبح صادق نمودار ہوئی تب بھی وہ سر پسجود ہی رہے۔ پھر جب نمازی حسب معمول صحن مسجد میں نماز فجر کے لئے جمع ہوئے آس وقت بھی آنہوں نے مسجدے سے سر نہ آٹھایا۔ اس پر لوگوں کو کچھ تشویش ہوئی۔ قریب آکر دیکھا تو امیر شہید ہوئے پڑے تھے۔ زہر میں بجھا ہوا ایک خنجر آنکے پہلو میں گھونپا ہوا تھا۔

امیر مملکت کی شہادت کی خبر آن واحد میں دارالخلافہ

کے گوشے گوشے میں پھیل گئی - پھر کیا تھا آن کے پیرو
 سبز پوش غیظ و غضب سے دیوانے ہو گئے - وہ "القصاص،
 القصاص" چلاتے ہوئے سرخ پوشوں کے محلوں کی طرف
 چڑھ دوڑے - آدھر گھروں سے سینکڑوں لوگ نیزے
 تلواریں اور برصہی بھائے تھے کے نکل پڑے - ہر طرف
 تلوار چلتے لگی - آہ و بکا، فریاد و فغان کی صدائیں آٹھنے
 لگیں - زمین بے گناہوں کے خون سے رنگین ہونے لگی -
 "مارو ان ناپاک سبزوں کو!" "لینا ان پلید سرخوں کو!"
 کے نعرے بلند ہونے لگے - رفتہ رفتہ رنگوں کی کوئی قید
 نہ رہی - اور نیلے پیلے سیاہ و سفید بھی مار دھاڑ میں
 شامل ہو گئے - کچھ لوگوں نے مسجدوں پر یورش کی -
 منبروں کو توڑ پھوڑ ڈالا - مسجدوں کی دیواروں پر بزرگان
 دین کے ناموں کے جو کتبے لگے تھے آنھیں نوج کھسوٹ
 کر آتار ڈالا - بعض شقی گھروں میں گھس گئے - اور عورتوں
 کی بے حرمتی کرنے لگے - عورتیں روئی پیشی اور بچے
 بلکتے تھے - مگر کوئی آنکی فریاد سننے والا نہ تھا -
 گھنٹے بھر کے اندر تمام بازار اور گلی کوچے لاشوں سے پٹ
 گئے -

آدھر حکومت کے لشکری الگ بندوقیں چلا چلا کر
 بلوائیوں کو موت کے گھاٹ آتار رہے تھے - سڑکوں پر
 هزاروں لاشیں بے گورو کفن پڑی نظر آنے لگیں -

ابھی یہ ہنگامہ کشت و خون برپا ہی تھا کہ دفعتہ

فضا میں ایسی آوازیں گونجنے لگیں جیسی بمبار طیاروں کے
آڑنے اور ٹینکوں کے چلنے سے پیدا ہوتی ہیں ۔

یہ طیارے اور ٹینک پاکستانی عساکر کے نہ تھے.....

ایک صحرائے لق و دق ہے جس پر چودھویں کا پورا
 اور گول چاند اپنی پوری تابندگی کے ساتھ چاندنی بکھیر رہا
 ہے۔ جس طرف نگاہ آٹھتی ہے ریت ہی ریت دکھائی دیتی
 ہے۔ جس کے ذرے چاندی کی طرح چمک رہے ہیں۔ ریت
 میں کہیں نشیب ہیں کہیں فراز۔ کہیں ریت کے اونچے اونچے
 ٹیلے جن پر آہو خرام بے پروا میں مصروف ہیں۔ جب
 کبھی کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا ہے تو یہ آہو چوکڑیاں
 بھرتے ہوئے کوسوں دور نکل جاتے ہیں۔

دور دور تک آبادی کا نشان نہیں۔ البتہ کہیں کہیں
 ایسے کھنڈر ضرور پائے جاتے ہیں۔ جن کو دیکھنے سے
 گماں ہوتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی متمدن شہر آباد ہوگا۔
 ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ جو ایک عجیب آداسی
 کی کیفیت لئے ہوئے ہے۔

اچانک افق پر کچھ دھبے سے نمودار ہوئے جب کوئی
 قافلہ آتا ہے تو پہلے یوں ہی دھبے سے دکھائی دیتے ہیں
 جو رفتہ رفتہ پھیلتے جاتے ہیں۔ اور ایسا نظر آنے لگتا ہے

جیسے کوئی لمبا سانپ بل کھاتا ہوا آرہا ہو - رفتہ رفتہ اونٹوں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی آواز حدی خوان کے لحن کے ساتھ مل کر دھیمی دھیمی سنائی دینے لگتی ہے - جوں جوں قافلہ قریب آتا جاتا ہے، آوازیں بلند ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ قافلے کے محافظ لشکریوں کے نیزے چاندنی میں چمکتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں -

لیکن یہ دھبے جو افق پر نظر آئے - نہ تو پھیلے اور نہ آنہوں نے سانپ کی شکل ہی اختیار کی - البته وہ بڑے بڑے ضرور ہوئے گئے -

نہیں - یہ کوئی قافلہ تو نہیں بلکہ چند مسافر ہیں - جب یہ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ چار اونٹ چلے آرہے ہیں - جن پر دو مرد اور دو عورتیں سوار ہیں - ان چاروں نے مغربی لباس پہن رکھا ہے۔ اگلے اونٹ کی مہار ایک شخص نے پکڑ رکھی ہے - جو عربوں کا سا دگلا لباس پہنے اونٹ کے قدم بہ قدم چل رہا ہے -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی انگریز یا امریکن سیاح ہیں جو بندرگاہ کے ہوٹل سے گائیڈ کے ہمراہ چاندنی میں گرد و نواح کی سیر کو نکلے ہیں۔ مرد ادھیر عمر ہیں اور عورتیں بھی جوانی کی منزل سے گزر چکی ہیں۔ مگر چاروں چاق و چوپنہ اور شاداں و فرحان نظر آتے ہیں۔ ان کے قہقہے اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز میں گڈ مڈ ہو کر اس منظر کی آداسی پر ایک تضھیک کی سی کیفیت پیدا کر رہے ہیں -

ایک عورت نے اپنی اونچی اور خراش دار آواز میں اپنے ساتھ وائے مرد سے کہا:

”ذک - دیکھو یہاں کا منظر کتنا دل فریب ہے۔ ذرا گائیڈ سے پوچھو ابھی کتنا اور آگے جانا ہے۔“

مگر یہ پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ کیونکہ گائیڈ چلتے چلتے خود ہی ٹھہر گیا۔ ساتھ ہی گھنٹیوں کی آواز بھی تھم اگئی۔ چاروں سیاح گردنیں گھما گھما کر گرد و پیش کا منظر دیکھنے لگے۔ گائیڈ نے کھنکار کر آنھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر وہ ریت پر ایک خاص جگہ جہاں کچھ کھنڈر پتھروں کی صورت میں پڑے تھے، اشارہ کر کے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہنے لگا:

”صاحب - یہی وہ جگہ ہے جہاں غنیم کے حملے سے پہلے ہوٹل موہن جو ڈارو ہوا کرتا تھا۔ جسکی اکھتر منزلیں تھیں اور جہاں پہلی مرتبہ پاکستانی خلا پیما نے چاند سے ریڈیو پر پیغام بھیجا تھا.....“

۱۵۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ